© rasailojaraid.com

Majallah-e-Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 31, Sr.No.78, 2010, pp 121 - 148

مجلّہ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۱، شمارہ ۷۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۰ء

فیضی فیاضی
مغل اعظم کا ملک الشعراء

ڈاکٹر محمد ناصر☆

Abstract:

Persian remained the court language of Sub-continent throughout the Muslim period, for more than seven centuries and this fertile land produced some giant literary figures e.g Masood Sa'ad Salman, Amir Khosrow, Abu al Fazl, Faizi, Ghalib and Bedil. Faizi is certainly one of most important poets of Mughal period. He was the court poet of Jalal-ud-Din Muhammad Akbar, better known as the Great Mughal. His poetry reflects the historical images, social norms, philosophical thoughts, mysticism, religious tolerance, moral values of the highest order and ethics of that particular age. Technically he is very sound and uses sublime similies, magnificent metaphores and fluent language. In this article his poetic works have been evaluated.

Key words: Persian Poetry, Sub Continent, Faizi, Impact.

ظاہر کا انبساط اپنے ناپائیدار تاثر کی بنا پر نامحسوس صورت اختیار کر کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے، اس کے برعکس باطن کے دُکھ کی ہر کروٹ نہ صرف دل و دماغ کے لیے راحت افزا ثابت ہوتی ہے، بلکہ اکثر اوقات اس کی شدت سے حواس تک پگھلنے لگتے ہیں۔

حواس کو شعوری طور پر ظاہر و باطن کے عمل اور ردِ عمل کے لیے وقف کر کے ردّ و قبول کے مراحل سے گذر کر محصول کو واضح اور وجیہہ خدوخال عطا کرنے کا نام ہی ''فن'' ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''فن'' ہر لمحہ فنکار کی ذات کو ریزہ ریزہ تراش کر خود قطرہ قطرہ اس کی نس نس میں بس جانے کے ناتمام عمل میں مصروف رہتا ہے۔ گویا وہی احساس فن کی تخلیق کا محرک بنتا ہے، جو جذبہ و خیال کی غیر مرئی سرحدوں کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ ایک ایسا ہی شاعر، جس کے فن نے جذبہ و احساس اور فکر و فلسفہ کی ماورائی سرحدیں عبور کر کے اپنے افکار کو اشعار کا روپ دیا، فیضی فیاضی ہے، جو برصغیر کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک نہایت اہم دور کا اہم ترین شاعر ہے۔

پورا نام ''شیخ ابوالفیض فیضی'' تھا، ''فیضی'' ہی تخلص کرتا تھا البتہ زندگی کے آخری دور میں ''فیاضی'' تخلص بھی اختیار کیا۔

فیضی عربی النسل تھا۔ اس کے آباء و اجداد یمن سے آئے اور سندھ کے ایک قصبہ ''ریل'' میں آباد ہو گئے۔ فیضی کے دادا شیخ خضر نے ناگور میں سکونت اختیار کر لی، اور پھر فیضی کے والد شیخ مبارک آگرہ آگئے، فیضی آگرہ ہی میں ۵۔ شعبان ۹۵۴ھ/ ۱۶ ستمبر ۱۵۴۷ء کو پیدا ہوا۔

فیضی کی شخصیت پر اس کے والد شیخ مبارک ناگوری کے اثرات بہت واضح ہیں، جنہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو خود زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ فیضی کا محبوب مضمون فلسفہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ دینیات، منطق، طب، رمل، نجوم کا ماہر اور فارسی زبان و ادب کا جیّد عالم تھا، علاوہ ازیں سنسکرت بھی کافی حد تک جانتا تھا، لیکن اسے فقہ اور تاریخ سے زیادہ رغبت نہ تھی۔ اس کی علمیت کا اعتراف بہت سے ناقدین اور تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی (۱۵۴۰ء۔ ۱۶۱۵ء)، جو فیضی کا بہت بڑا ناقد ہے، نے بھی فیضی کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مشہور کتاب منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ ملک الشعراء شیخ فیضی شاعری، معما گوئی، علم عروض و قافیہ میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا، علاوہ ازیں تاریخ، لغت، طب اور انشا نویسی میں کوئی ہم عصر اُس کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

جلال الدین محمد اکبر (۱۵۴۲ء۔ ۱۶۰۵ء) (عرصۂ حکومت: ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابتدائی دور میں دو باا ثر علماء مخدوم الملک اور صدر الصدور کا طوطی بولتا تھا، جس سے ان کو شکایت ہوتی، اس کے خلاف فتویٰ دے کر شرعی حد جاری کر دیتے، فیضی کا خاندان ان کے زیرِ عتاب رہا، شیخ مبارک ناگوری اپنے دونوں لائق بیٹوں شیخ ابو الفیض فیضی (۱۵۴۷ء ۔ ۱۵۹۵ء) اور شیخ ابوالفضل (۱۵۵۱ء ۔ ۱۶۰۲ء) کے ہمراہ ایک مدت تک در بدر پھرتا رہا، بالآخر خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی سعی و حمایت نے نجات پائی، اور پھر اسی محسن کے ذریعے دربارِ اکبری میں رسائی حاصل کی۔ فیضی نے مزاج شناسی، شگفتہ بیانی اور آزاد خیالی کے باعث بہت جلد اکبر اعظم کی قربت حاصل کر لی، وہ شہزادوں کا اتالیق بھی رہا، علمی و ادبی امور کے علاوہ اس سے انتظامی خدمات بھی لی گئیں، یوسف زئی پٹھانوں کی بغاوت کو دبانے کے لیے زین خان کوکہ کی مدد کے لیے فیضی کو ایک دستے کا سالار بنا کر بھیجا گیا، لیکن فیضی اپنے لیے علم و ادب کے میدان ہی پسند کرتا تھا، خود لکھتا ہے:

''اگر چہ میں نے تلوار کو کمر سے باندھ لیا ہے، لیکن میری تحریر کی کاٹ اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر ہے۔ اگر چہ میں تیر کو کمان میں رکھتا ہوں، لیکن قلم میرے ہاتھ میں کہیں زیادہ رواں ہے۔ بادشاہ سلامت کی بندہ نوازی ہے کہ اس حقیر کو ایسا عروج اور کمال نصیب فرمایا۔'' (فیضی، دیباچۂ دیوان، ص:ہ)

۹۹۷ھ میں فیضی نے ملک الشعراء کا خطاب پایا، فیضی خود لکھتا ہے:

''رفتہ رفتہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں میری صلاحتیں نکھر کر سامنے آئیں، اور خوش نصیبی سے ''خواجۂ تاش'' کے منصب پر فائز ہو گیا، امراء میں بھی شمار ہونے لگا، اور بالآخر ملک الشعراء کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔'' (ایضاً)

فیضی نے دکن میں بھی بطور سفیر کافی عرصہ گزارا، اسی سبب سے بعض محقق اسے فیضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکنی کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ زندگی کے آخری سالوں میں فیضی لاہور میں مقیم رہا اور لاہور میں ہی ۱۰۔ صفر ۱۰۰۴ھ/۱۰۔ اکتوبر ۱۵۹۵ء بروز ہفتہ وفات پائی۔ بھائی شیخ ابو الفضل اس کا جسد خاکی آگرہ لے گیا اور ماں باپ کی قبروں کے پاس دفنا ہی دیا۔ یمین خان لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ فیضی کا جسد خاکی تو شہر لاہور کی آغوش سے دُور چلا گیا، لیکن اُس نے لاہور میں فارسی شاعری کے جس دلکش انداز کو رواج دیا تھا، وہ فارسی شعر و ادب کی درخشاں تاریخ کے اوراق سے ہرگز محو نہیں کیا جا سکتا۔''

(یمین خان، ص ۱۹۹)

> فیضی نے صرف دس برس کی عمر ہی سے شعر گوئی کا آغاز کر دیا تھا، گویا اس نے اپنی اڑتالیس سالہ زندگی میں اڑتیس برس شاعری کی۔ اس نے خواجہ حسین ثنائی سے اصلاح لی۔ بعض ناقدین کی رائے میں شیخ فیضی فیاضی کے کلام میں جو چاشنی پائی جاتی ہے، وہ خواجہ حسین ثنائی کی صحبت کا فیض ہے۔

فیضی نے اپنی شاعری کی بدولت بہت نام کمایا، اورمقام و مرتبہ پایا۔ اس کا شمار سلطنت کے بااثر ترین افراد میں ہوتا تھا، اور اس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔

مرآۃ العالم، مآثرالامراء، اور سرو آزاد کے مصنّفین کے بیان کے مطابق فیضی نے ایک سو ایک کتب تصنیف کیں، مگر جو کتابیں اس وقت دستیاب ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

آثار فیضی:

۱۔ دیوان:

فیضی نے ۹۹۵ھ میں اپنے دیوان کا پہلا نسخہ ''تباشیر الصبح'' کے نام سے ترتیب دیا، اس میں تقریباً چھ ہزار اشعار تھے:

''کوسی بہ شش جہت زدہ این شش ہزار بیت''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا مجموعہ ۱۰۰۱ھ سے ۱۰۰۴ھ کے درمیاں ترتیب دیا، اس میں نو ہزار اشعار تھے۔

''کوسی بہ نہ فلک زدہ این نہ ہزار بیت''

بدایونی اور تقی الدین اوحدی اس کے اشعار کی تعداد ۲۰ ہزار بتاتے ہیں۔ مخزن الغرائب میں ۲۵ ہزار اور تذکرہ نظم گزیدہ میں ۳۰ ہزار رقم ہے۔ طبقاتِ اکبری جیسی معتبر کتاب ف کتاب میں ۵ میں ۱۵ ہزار اشعار کا بیان ہے۔ ابو الفضل مثنوی، مرکزِ ادوار، کے آخر میں لکھتا ہے کہ فیضی نے ابتدائی پچاس ہزار شعر تلف کر دیے تھے۔

۲۔ خمسہ:

خمسۂ نظامی اپنی تخلیق کے فوراً بعد سے ہی شاعروں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے، بہت سے شاعروں نے اس کی تقلید میں مثنویاں لکھیں لیکن جو شہرت امیر خسرو دہلوی (۱۲۵۳ء۔ ۱۳۲۵ء) کے حصے میں آئی، کسی اور شاعر کو اس کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہیں ہو سکا۔ برصغیر پاکستان و ہند کی شعری تاریخ میں امیر خسرو کے بعد خمسۂ نظامی کی تقلید میں سب سے بڑا نام فیضی فیاضی کا ہے۔ فیضی نے خمسہ لکھنا تو شروع کیا لیکن ابھی محض دو مثنویاں ہی لکھ پایا تھا کہ عمر نے وفا نہ کی، اور فرشتۂ اجل نے آلیا۔ دو مثنویاں '' نل دمن'' اور ''مرکزِ ادوار'' مکمل ہیں، جب کہ ''سلیمان و بلقیس'' کے محض ۶۸ اشعار اور ''اکبر نامہ'' کے صرف ۱۵ اشعار ہی ملتے ہیں۔ پانچویں مثنوی ''ہفت کشور'' شروع ہی نہ کی جا سکی۔ ''نل دمن'' ۴۱۷۵ اور ''مرکز ادوار'' ۲۳۵۱ اشعار پر مشتمل ہیں۔

جو مقبولیت ''نل دمن'' کو حاصل ہوئی، وہ غیر معمولی ہے۔ فیضی کے بدترین مخالف عبدالقادر بدایونی کو بھی منتخب التواریخ میں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ امیر خسرو کے بعد، نل دمن جیسی مثنوی گذشتہ تین سو برس میں، ہندوستان کے کسی اور شاعر نے نہیں کہی۔

'' تاریخ شعر و سخنوران فارسی در لاہور'' میں لکھا ہے:

'' مثنوی نل دمن فیضی کی شاعری کا شاہکار ہے۔'' (یمین خان، ص ۱۹۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:

''قرین انصاف تو یہی ہے کہ ہمیں فیضی کے کلام کی لطافت اور مہارت کو اُس کی پہلے اُس کی مثنویوں اور پھر اُس کی غزلیات میں ڈھونڈنا چاہیے، چونکہ یہاں فکری تازگی بھی دکھائی دیتی ہے، اور علاوہ ازیں تشبیہات و استعارات سے سجی نت نئی تراکیب بھی جلوہ دکھاتی ہیں۔'' (صفا، ذبیح اللہ، ص۸۵۷)

''فتح گجرات'' بھی ۱۵۱ اشعار پر مشتمل ایک مخطوطہ ہے۔ فیضی کی یہ تمام مثنویاں تاریخی اور مخصوصاً سماجی و سیاسی واقعات کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

۳۔ لطیفۂ فیاضی:

مکتوبات اور نثری تحریروں کا مجموعہ ہے۔ تاریخی اور ادبی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اسے فیضی کے بھانجے نورالدین نے مرتب کیا۔

۴۔ سواطع الالہام:

قرآن پاک کی بے نقط عربی تفسیر جو فیضی کی بے پناہ علمیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ خود فیضی کو اپنی اس تصنیف پر بہت ناز تھا۔ وہ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

''... یہ عطیۂ غیبی قدرت نے اسی فقیر کے نصیب میں لکھا تھا۔''

۵۔ موارد الکلم:

عربی زبان میں بے نقط الفاظ پر مشتمل ایک دینی رسالہ ہے۔

۶۔ ترجمۂ بھگوت گیتا:

یہ ترجمہ اکبر اعظم کے نظریۂ صلح کل کے زیر اثر ہندو اساطیر و مذہب سے لگاؤ کا نتیجہ ہے۔ بھگوت گیتا کا یہ منظوم ترجمہ فارسی زبان میں ہے۔

۷۔ ترجمۂ لیلاوتی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندو ریاضیات پر پنڈت بھاسکر آچارہ کی کتاب، لیلاوتی، کا فارسی ترجمہ ہے۔ قبل ازیں یہ کتاب سنسکرت زبان میں تھی۔ فیضی نے ترجمے کے علاوہ بعض اضافے بھی کیے ہیں۔

فیضی کا شعری اسلوب:

فیضی کو سبک ہندی کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے، لیکن یہ کہنا بجا ہوگا کہ سبک ہندی اپنی تمام تر مثبت خوبیوں کے ساتھ اُس کے اشعار میں جلوہ گر ہے، اور اس اسلوب کی منفی خصوصیات سے فیضی کا کلام مبرا اور پاک ہے۔ سبک ہندی کی روایتی مشکل پسندی بھی اُس کے ہاں ناپید ہے۔ اگرچہ فیضی کے ہاں بھی نازک خیالی، خیال بافی، مضمون آفرینی، جدت پسندی، نت نئی تراکیب، تازہ تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع کا بھی استعمال پایا جاتا ہے، لیکن اعتدال اور توازن کے ساتھ؛ جو فیضی کی ذاتی زندگی کا پرتو بھی ہے۔ خود اپنے اسلوب اور انداز کے بارے میں دیوان کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

> ''چونکہ خود میں نے مشکل پسندی کو اپنے لیے مناسب نہیں سمجھا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بزرگانِ سخن بھی میرے کندھوں پر یہ بوجھ نہ ڈالیں، اور میرے کلام میں ایسی خوبیاں تلاش نہ کریں۔'' (فیضی، دیباچۂ دیوان، ہ)

فیضی کے قصائد و غزلیات کی زبان بھی نہایت سادہ اور آسان ہے۔ وہ عربی زبان کا بہت بڑا عالم ہونے کے باجود فارسی سرہ کو ترجیح دیتا ہے۔ ایرانی ناقدین ادب نے بھی فارسی زبان پر اس کی غیر معمولی گرفت اور قدرتِ کلام کو حیرت کی نظر سے دیکھا اور دل کھول کر سراہا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر زہرا خانلری، رہنمایِ ادبیاتِ فارسی میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''فیضی اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوا اور اُس نے یہیں زندگی گزاری، لیکن اُس کا فارسی کلام زبان و بیان کے اعتبار سے فارسی کے عظیم ترین شعرا کے آثار کا ہم پلہ ہے۔'' (خانلری، زہرا، ص۲۹۶)

ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران میں، فیضی کی فارسی زبان پر گرفت و بے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پناہ مہارت کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

''...اگرچہ فیضی کا تعلق ہندوستان سے تھا، اور اُس نے ساری زندگی یہیں بسر کی؛ لیکن سلامتِ سخن، متانت کلام، اور استحکام شعر کے اعتبار سے فیضی اور عظیم ایرانی شعرا کے آثار میں تمیز محال ہے۔'' (شفق، رضا زادہ، ص۴۷۳)

فیضی نے بلاشبہ برصغیر کی فارسی شاعری پر گہرے نقوش چھوڑے، اُس کو فارسی شاعری کی نئی طرز کا موجد بھی کہا جاسکتا ہے۔ اُس کے ہاں کورانہ تقلید دکھائی نہیں دیتی، بلکہ وہ طرزِ فکر میں بھی اجتہاد کا قائل ہے۔ فیضی کا شعری اسلوب ملاحظہ فرمایئے:

یا رب قدمی بہ راہِ توحیدم دہ
شوقی بہ نہان خانۂ تجریدم دہ
دل بستگی بہ سرِ تحقیقم بخش
آزادگی ز قید تقلیدم دہ
(فیضی، ص۴)

فیضی کے قصائد کی تاریخی اہمیت:

فیضی کے قصائد کی تاریخی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، بلکہ اس کے بعض قصائد کی مدد سے دورۂ اکبری کے اہم واقعات کو جاننے میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں اہم واقعات کا پیش منظر اور پس منظر، تاریخی حقائق، تہذیبی روایات اور ثقافتی اقدار سے متعلق بھی قابل قدر معلومات ملتی ہیں۔ آیئے چند مثالیں دیکھتے ہیں:

۹۷۵ھ میں دربارِ اکبری سے بلاوا آنے پر فیضی نے جو قصیدہ کہا، اس کا مطلع کچھ یوں ہے:

سحر نوید رسان قاصدِ سلیمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسید ہم چو سعادت کشادہ پیشانی

(ایضاً، ص۱۱۲)

۹۸۹ھ میں فتح کابل کے موقع پر یہ قصیدہ کہا:

بہار عیش شد و باغ آرزو گل کرد
بیار می کہ شہنشاہ فتح کابل کرد

(ایضاً، ص۱۴۲)

۹۹۱ھ میں گجرات کے باغیوں کا قلع قمع ہوا تو کہتا ہے:

مژدہ کز گجرات شاہنشاہ دوران می رسد
ابر گوہر بار از دریایِ عمان می رسد

(ایضاً، ص۳۴)

۹۹۳ھ میں شہزادہ سلیم کی شادی کے جشن کے موقع پر کہتا ہے:

ساقیا می دہ کہ رنگ آمیز شد باد بہار
لالہ با ریحان برآمد، گل بہ نسرین گشت یار

(ایضاً، ص۱۵۰)

۹۹۷ھ میں فتح کشمیر کے موقع پر ۱۰۰ اشعار پر مشتمل قصیدہ کہا:

ہزار قافلۂ شوق می کند شب گیر
کہ بار عیش گشاید بہ خطۂ کشمیر

(ایضاً، ص۴۲)

فیضی کے قصائد کی سماجی اہمیت:

فیضی کے ہاں خارجی عوامل یعنی سیاسی و سماجی ماحول، اور تہذیب و ثقافت کے اثرات نسبتاً زیادہ، جبکہ داخلی عناصر یعنی ذاتی جذبات و احساسات نسبتاً کم ہیں۔ وہ فن برائے فن نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ فن برائے زندگی کے اصول پر کاربند رہا۔ اس نے شاعری کی مدد سے زندگی کے حقائق کی ترجمانی کی، اور اپنے فن کو مسائل حیات کے سلجھانے کا ذریعہ بنایا:

دل بد مکن کہ تیرگیِ چار عنصری
خود بین مشو کہ آینۂ ہفت کشوری
(ایضاً، ص۱۳۱)

فیضی نے اپنی شاعری میں ہندی افکار کی ترجمانی بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے۔ سوئمبر، ستی اور عورت کی مرد پر فریفتگی جیسے معاملات جو ہندی تہذیب و ثقافت کے مخصوص و منفرد عناصر ہیں، فیضی کے کلام میں ان کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہندی الاصل علامات بھی بے تکلفی سے استعمال کی ہیں، مثلاً دیر، ناقوس، بت، سومنات، برہمن، کافر اور بت خانہ وغیرہ۔ گویا اس کے قصائد اس دور کے معاشرے اور تہذیب کے بھرپور عکاسی کرتے ہیں اور اس طرح سماجی تاریخ کا درجہ رکھتے ہیں۔

فیضی نے مغل اعظم جلال الدین محمد اکبر کے سوا کسی کا قصیدہ نہیں کہا، جو ایک غیر معمولی بات ہے۔ خود کہتا ہے:

از مدحت اسافل عالی بود خیالم
اعیانِ معرفت را کی زیبد این عوانی
(ایضاً، ص۱۱۱)

فیضی ایک قادر الکلام شاعر اور اس فن کا مسلم الثبوت استاد ہے۔ اُس نے تمام رائج اصنافِ سخن مثلاً قصیدہ، مرثیہ، ترکیب بند، ترجیع بند، غزل، قطعہ، معمہ، تاریخ گوئی اور مثنوی، سبھی میں طبع آزمائی کی ہے، البتہ ہجو کہنے سے گریز کیا، اور فخریہ اس کا اظہار بھی کرتا ہے:

ما لب ز نوشداروی سہراب شستہ ایم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساغر بہ زہر و شیشہ بہ خوناب شستہ ایم

(ایضاً، ص ۴۵۵)

فیضی کی مثنوی نویسی کا ذکر خمسۂ نظامی کی تقلید کے ضمن میں ہو چکا ہے، لیکن اس کے دیوان میں شامل قصائد اور غزلیات بھی اسی قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے دیوان کا بڑا حصہ غزلیات ہی پر مشتمل ہے، جن کا اہم اور غالب موضوع عشق ہے:

دیوانِ فیضی از رقم عشق پُر شدہ

ای اہل ذوق طرزِ ادا را نگہ کنید

(ایضاً، ص ۳۹۱)

فیضی کے ہاں فکر بھی ہے، اور فلسفہ بھی؛ یوں لگتا ہے جیسے ایک فلسفی اپنے خیالات کے موتیوں کو لفظوں کی لڑی میں پروئے چلا جا رہا ہے۔

ما طایرِ قدیم نوا را نشناسیم

ما مرغِ ملکوتیم ہوا را نشناسیم

از عرش مپندار کہ لغزد قدمِ ما

مستیم نہ زان گونہ کہ جا را نشناسیم

با لنگر دل کشتی توحید برانیم

موجِ غم و طوفانِ بلا را نشناسیم

(ایضاً، ص ۱۵)

اکبری دور میں جس قدر عمدہ فخریہ اشعار کہے گئے ہیں، اس کی مثال کسی اور دور میں نہیں ملتی۔ عرفی کے بعد سب سے زور دار فخریہ اشعار فیضی کے ہاں ہی ملتے ہیں۔ کہتا ہے:

من فیضی ام بہ فکرت فیاض کز شرف

نازد بہ فر فکرتِ من دورِ اکبری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ایضاً، ص)

ما لب ز نوشداروی سهراب شسته ایم
ساغر به زهر و شیشه به خوناب شسته ایم

(ایضاً، ص۴۵۵)

دمی که یاد کنم همدمان میکده را
گه از پیاله، گه از زخم، گه از سبو گویم

(ایضاً، ص۴۷۳)

یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

در خیال سواد زلف بتان
طبع فیضی مشوش افتاده است

(ایضاً، ص۲۶۱)

کس خوبی سے کہتا ہے:

خالی نکنیم ساغر از می
در مذهب ما خلا محال است

(ایضاً، ص۲۵۵)

اپنے اشعار کی رفعت کو یوں بیان کرتا ہے:

من به راهی می روم کانجا قدم نا محرم است
از مقامی حرف می گویم که دم نا محرم است

(ایضاً، ص۲۵۶)

معانی کی رنگینی کو یوں بیان کرتا ہے:

کلک فیضی می دهد گل های تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

می رود معنی رنگین شاخ شاخ

(ایضاً، ص ۲۸۶)

فیضی نے پند و اندرز کے ضمن میں نہایت عمدہ شعر کہے ہیں، اس کے ہاں فکر و فلسفہ کی آمیزش نہایت مؤثر اور دلکش ہے۔ وہ جذبہ و احساس سے زیادہ عقل و خرد، اور جوش و ولولے سے بڑھ کر دلیل و منطق سے مدد لیتا ہے۔ یہ انداز ملاحظہ ہو:

مرد باید کہ زبان آئینہ دل سازد
خواہ کافر بود و خواہ مسلمان گردد

(ایضاً، ص ۳۲)

اور ایک غزل کے چند اشعار:

دلا زبانِ ادب جز بہ آفرین مگشای
درین بساطِ ہنر چشم عیب بین مگشای
بہ گرد چشم تو بستند پردہ ہایِ مژہ
کہ دیدہ جز بہ نظر ہایِ راستین مگشای

(ایضاً، ص ۱۰۳)

ایجاز و اختصار کی مثال بھی دیکھیے، گویا دریا کو کوزے میں سمو دیا ہے:

بہ شش نصیحت مجمل سخن تمام کنیم
مگو، مساز، میار و مبر، مبین، مگشای

(ایضاً، ص ۱۰۵)

فیضی ظاہری زہد اور منافقت و ریا سے بیزار ہے، وہ تو باطن کی پاکیزگی اور سیرت کی طہارت ہی کو اہمیت دیتا ہے:

ملامت می کند ناصح بہ فیضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ببیند چشم ظاہر بین بہ ظاہر
(ایضاً، ص ۴۰۰)

فیضی فطری طور پر نیک دل اور خدا ترس انسان تھا، اس نے اپنے بدترین مخالفین کے ساتھ بھی ہمیشہ حسن سلوک سے کام لیا، سچ ہی کہتا ہے:

اگر چہ ما ز رفیقان شکایتی داریم
ہزار شکر کہ کس را ز ما شکایت نیست
(ایضاً، ص۲۶۸)

فیضی جہاد بالنفس کو جہاد بالسیف پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ جھوٹی انا کے سومنات کو پاش پاش کر دینا چاہتا ہے۔ فیضی کے ہاں تصوف و عرفان کے لازوال موضوع پر انتہائی خوبصورت اشعار ملتے ہیں۔ وہ اول و آخر کا فرق بھانپ چکا ہے:

در چشم عارف از ازل فرقی نباشد تا ابد
اول در آخر خواندہ ام، آخر در اول دیدہ ام
(ایضاً، ص۴۳۶)

یہ شعر بھی دیکھیے:

مسافرانِ طریقت ز من جدا مشوید
کہ دور بینم و چشمم بہ منزل افتاد است
(ایضاً، ص۲۶۲)

وہ وحدت الوجود کے نظریے کے حامی ہے، اور دیر و کعبہ کا فرق بھول چکا ہے:

ہم کعبہ و ہم بتکدہ سنگ رہ ما بود
رفتیم و صنم بر سر محراب شکستیم
(ایضاً، ص۴۶۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکبر کے دور میں عقیدۂ صلح کل کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی، جس کے زیر اثر اس دور کے سبھی شعرا نے بھی ایسے اشعار کہے ہیں، جن میں اس عقیدہ کی موافقت کے پہلو نکلتے ہیں۔ فیضی بھی سبحہ و زنار کی قید سے آ غاز ہے:

فیضی ز قید سبحہ و زنار فارغ ایم
طی کردہ ایم صومعہ و سومنات را
(ایضاً،ص ۱۸۶)

فیضی اب مذہبی حدود و قیود سے بے نیاز ہو چکا ہے، اب عشق ہی اس کا مسلک و مشرب ہے:

فیضی خبر از طاعت زہاد نداریم
در مشرب عشقیم چہ دانیم ز مذہب
(ایضاً،ص ۲۲۷)

کبھی تو اسے مسجد کی پاکیزہ فضا میں سکون و اطمینان میسر آتا ہے، اور کبھی مندر کا رنگین ماحول بھی اسے گوشۂ عافیت دکھائی دیتا ہے، اور وہ کافر سومنات ہونے کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

گہ زاہد مسجد است فیضی
گہ کافر سومنات باشد
(ایضاً،ص ۳۲۲)

وہ ہرگز امید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا:

گر بادہ در کف من ساغر شکستہ نیست
نومید نیستم کہ در فیض بستہ نیست
(ایضاً،ص ۲۷۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ نہ کافر کو برا کہتا ہے، اور نہ ہی مسلمان کو فوقیت دیتا ہے، وہ خود کو نہ مسلمان سمجھتا ہے اور نہ کافر گردانتا ہے۔ میکدۂ فیضی سے رموز عشق کا درس لیا جا سکتا ہے:

بیا بہ میکدۂ فیضی رموزِ عشق آموز
چرا بہ مدرسہ اوقات می کنی ضائع
(ایضاً، ص ۴۲۱)

فیضی نے کچھ اس جوش و جذبے اور سرمستی کے ساتھ عشق کے لازوال نغمے الاپے ہیں کہ قاری حیرت سے انگشت بہ دنداں رہ جاتا ہے کہ عقل و خرد کا پیرو ایک فلسفی اور مفکر کس طرح ایک عاشق صادق کا روپ بھی دھار سکتا ہے۔ وہ سلطنت عشق کو کسی بھی صورت ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا:

فیضی اگر عشق تو را خاک نشین ساخت
از دست مدہ سلطنت روی زمین را
(ایضاً، ص ۱۹۷)

اگرچہ وہ اس حقیقت سے بھی بہ خوبی آگاہ ہے کہ راہ عشق کا مسافر بالآخر کوئے ملامت کو پہنچتا ہے، کنج سلامت کی طرف نہیں:

فیضی مجو طریق سلامت کہ راہ عشق
کوی ملامت است نہ کنج سلامت است
(ایضاً، ص ۲۳۹)

دیوانِ فیضی انہی رنگا رنگ پھولوں سے رنگین ہے:

نظم فیضی را چہ می بینی کہ عشق
صد چنین گل ہای رنگا رنگ داشت
(ایضاً، ص ۲۷۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ جانتا ہے کہ عشق ایک ناتمام حکایت ہے، اگر چہ اسے سینکڑوں دہرایا جا چکا ہے، اور بلاشبہ یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا:

کم نشد فیضی حکایت ہای عشق
گر چہ ما گفتیم از صد بار بیش
(ایضاً، ص ۴۱۶)

لیکن ساتھ ہی اپنی سعی پیہم سے مطمئن بھی ہے، اور اپنی بساط کے مطابق دل کا درد بیان کرنے پر خود سے راضی بھی ہے:

فیضی گمان مبر کہ غم دل نگفتہ ماند
اسرار عشق آنچہ توان گفت گفتہ ام
(ایضاً، ص ۴۳۵)

جب ایک عالم دین اور فقیہ رندانہ مضامین بیان کرتا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔ ایسا فیضی کے ساتھ بھی ہے۔ لیکن جہاں اس نے ایسا کیا ہے، اس کا فن اپنی معراج کو پہنچتا دکھائی دیتا ہے:

ساقیا سر مستی فیضی ز بزم دیگر است
ناز کمتر کن کہ از می شستہ ام پیمانہ را
(ایضاً، ص ۲۰۱)

یہی رندانہ کیفیت جب عشق کا روپ دھارتی ہے تو فیضی بے اختیار کہ اٹھتا ہے کہ خود اس کے پاؤں دل سے بندھے ہیں اور دل خود اس کا اسیر ہے:

فیضی و کار عشق چہ دارد نظارگی
ما پای بست دل شدیم دل پای بست ما
(ایضاً، ص ۲۰۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفورِ جذبات کی مثال اور خود فراموشی کا عالم تو دیکھیے:

فیضی چہ مست بود سحر بوسہ از لبش
دانم کہ یافت لیک ندانم کہ چند یافت
(ایضاً، ص ۲۷۷)

اس کی آنکھیں خواب سے اور کان افسانوں سے لبریز ہیں، پیمانے کے بھرنے کو بطور کنایہ استعمال کیا گیا ہے، کہ عمر کا اختتام قریب ہے:

چشمم ز خواب و گوش ز افسانہ پر شدہ است
ساقی مرا گذار کہ پیمانہ پر شدہ است
(ایضاً، ص ۲۶۲)

عشق کا احسان مند ہے جس ماسوٰی سے نجات دلا دی ہے:

ہزار مرتبہ فیضی ز عشق ممنونم
کہ در ہوس کدۂ سینہ مدعا نگذاشت
(ایضاً، ص ۲۷۵)

پیمانۂ ہوس کو مے ناب سے دھو ڈالنے کی دلکش ترکیب ملاحظہ فرمائیے:

کاشانۂ طرب ز گل خندہ رفتہ ایم
پیمانۂ ہوس ز می ناب شستہ ایم
(ایضاً، ص ۴۵۳)

جوشِ بیان اور زورِ کلام ملاحظہ ہو:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ای عشق رخصت است کہ از دوش آسمان
بر دوش خود نہم علم کبریای تو
(ایضاً، ص۴۹۲)

طوطی ہند اگرچہ امیر خسرو کا لقب ہے، لیکن فیضی خود کو خسرو سے کمتر نہیں جانتا، اسے لیے اپنے لیے اسی لقب کو منتخب کرتا ہے:

طوطی ہند چون توئی فیضی
زاغ را رہ درین سواد مدہ
(ایضاً، ص۴۹۶)

اس ''رند جہان گرد'' کا حال تو دیکھیے:

منم آن رند جہان گرد کہ ہمراہم نیست
اندرین بادیہ جز باد جہان پیمائی
(ایضاً، ص۵۰۴)

ناصحم گذار پند کہ فیضی ز عشق شد
وارستہ از نصیحت و فارغ ز پند ہم
(ایضاً، ص۴۵۲)

اس رندانہ کیفیت میں فیضی زیادہ دیر تک مقیم نہیں رہ پاتا، وہ جلد ہی اعتدال کی راہ پر واپس آ جاتا ہے:

منم کہ نغمہ بہ گوشم کمال می گیرد
شراب در گلویم اعتدال می گیرد
(ایضاً، ص۳۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن مت بھولیے کہ فیضی بنیادی طور پر ایک فلسفی ہے، اور وہ ہر طرح کے فلسفیانہ افکار کو بیان کرنے پر قادر ہے:

خوش آن کسی کہ ز عالم بہ آرزوی تو رفت
بہ جستجوی تو آمد بہ گفتگوی تو رفت

(ایضاً، ص ۲۷۸)

لیکن کبھی کبھی ایک فلسفی و منطقی کا ذہن بھی اس قید و بند سے باغی ہو ہی جاتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں انسان خالق و مالک کی قدرت کا ادراک کرتا ہے:

فیضی بہ عقل مشکل ما حل نمی شود
بسیار خواندہ ایم کلام کلیم را

(ایضاً، ص ۱۹۳)

فیضی کے ہاں مترنم اور سادہ و مختصر بحور میں خوبصورت غزلیں ملتی ہیں، یہ فیضی کے فن کی معراج ہے، خالص تغزل کی چند مثالیں دیکھیے:

فیضی کی زبان کا شکوہ اسے خاموشی توڑنے پر اکساتا ہے:

۱۔ پُر شکوہ بود زبانِ فیضی
زان گونہ کہ در دہان نگنجد

(ایضاً، ص ۲۹۶)

اس رہ نورد عشق کی آرزو تو دیکھیے:

۲۔ فیضی آن رہ نورد عشق منم
کارزو بر دلم گران نشود

(ایضاً، ص ۳۷۰)

دوست کا تیر نظر جانی دشمن کے وار سے زیادہ کاری ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد
مشکل اگر دشمن جانی کند
(ایضاً، ص ۳۶۰)

محاورے کا لطیف استعمال تو دیکھیے:

۴۔ از کار فتادہ ایم و با ما
ہجر تو ہنوز کار دارد
(ایضاً، ص ۳۰۱)

محبوب کے روبرو لب کشائی محال ہے:

۵۔ گفتم از تو گلہ دارد فیضی
گفت خاموش کہ من دانستم
(ایضاً، ص ۴۳۷)

فیضی کا یہ شعر تو گویا ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے:

۶۔ ای ہم نفسان محفل ما
رفتید ولی نہ از دل ما
(ایضاً، ص ۲۱۳)

زہد و عشق کی ہمراہی قول محال کی عمدہ مثال ہے:

۷۔ گر چہ فیضی بہ راہ زہد افتاد
غزلش عاشقانہ افتاد است
(ایضاً، ص ۲۴۳)

محبوب کی کلائی ہاتھ سے جاتے رہنے کا تصور بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جان لیوا ہے:

۸۔ ساعد او ست بہ دستم فیضی
آن مبادا کہ تہی دست شوم
(ایضاً، ص ۴۵۱)

دیدار محبوب گویا عاشق زار کو ہر شے سے بے نیاز کر دیتا ہے، یہاں تک کہ خود محبوب کی صدا محو ہو جاتی ہے:

۹۔ بہر سخن روی بہ من می کند
باز ندانم چہ سخن می کند
(ایضاً، ص ۳۵۸)

اس عاشق صادق کے دل کی گرہ کھولنے والا کوئی نہیں:

۱۰۔ چون نسیم سر کوی تو کسی
گرہ خاطر ما را نکشاد
(ایضاً، ص ۲۸۷)

ہر چہ بادا باد کا اس سے بڑھ کر دلکش استعمال شاید ہی کہیں دکھائی دے:

۱۱۔ فیضی از قید زہد وارستیم
بادہ خوردیم ہر چہ بادا باد
(ایضاً، ص ۲۸۸)

مکتب عشق کے دستور نرالے دیکھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اور فیضی کا شعر دیکھیے:

۱۲۔ فیضی از دوست خلاصی مشکل
بندۂ عشق نگردد آزاد
(ایضاً، ص ۲۸۸)

مسجد و مندر کا فرق فیضی کے لیے مفہوم نہیں رکھتا:

۱۳۔ گاہ در مسجدیم و گہ در دیر
بہ تمنای دوست در بہ دریم
(ایضاً، ص ۴۶۶)

چاکِ داماں کا ذکر تو دیگر شعراء نے بھی کیا ہے لیکن فیضی چاکِ دل کا قصہ چھیڑتا ہے:

۱۴۔ دل صد پارہ بس بود فیضی
چاک در پیرہنم نمی خواہم
(ایضاً، ص ۴۵۱)

رانجھا رانجھا کردے نی میں آپے رانجھا ہوئی، محبوب کی بادہ گساری فیضی کو مست کر ڈالتی ہے:

۱۵۔ ای خوش آن بزم کہ از دست شوم
تو خوری بادہ و من مست شوم
(ایضاً، ص ۴۵۰)

سبک ہندی کے نمائندہ یہ اشعار بھی دیکھیے، امید کے بیج کو سوچ کی خاک سینچتی ہے، جو تشبیہ بلیغ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت عمدہ مثال ہے:

۱۔ ما بیخ امید از گل اندیشہ کشیدیم
وز سینہ دلِ خود بہ رگ و ریشہ کشیدیم
(ایضاً، ص ۴۶۴)

جاں بہ لب دل کو عبرت کی سولی سے لٹکانا ہی مناسب ہے:

۲۔ سزاست گر بہ سر دار عبرت آویزند
ہزار پارہ دلی را کہ نیم جان دارد
(ایضاً، ص ۳۰۲)

معاملہ کردن جیسے سادہ محاورے کا برمحل اور دلکش استعمال دیکھیے:

۳۔ نفایس دل و دین می دہم بہ نیم نگاہ
بہ من معاملہ کن کہ راست گفتارم
(ایضاً، ص ۴۴۲)

مانگ سے پاؤں تک کی ترکیب سے ہی غالباً بعد ازاں نظیری نے استفادہ کیا:

۴۔ ز فرق تا بہ قدم مو بہ موی من معنی است
گمان مبر کہ درین خانہ نقش دیوارم
(ایضاً، ص ۴۴۳)

حقیقت و مجاز، صنعت تضاد کی عمدہ مثال ہے:

۵۔ بر گفتۂ ما خردہ مگیرید حریفان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر مست حقیقت نہ ریا کار مجازیم

(ایضاً، ص ۴۶۸)

عشق کی مدد سے صنم آفرینی کی کوشش دیکھیے:

۶۔ کو عشق کہ زنجیر در کعبہ گدازیم

وز بہر پرستش صنمی چند بسازیم

(ایضاً، ص ۴۶۸)

دل کی دراڑ اور جگر کی چھلنی بھی دیکھیے:

۷۔ ہر نظم گوہرین کہ بہ یاد تو گفتہ ام

دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفتہ ام

(ایضاً، ص ۴۳۴)

۸۔ حدیث عقل و دین با ما مگوئید

خردمندان سخن بیجا مگوئید

کجا عقل و کجا دین و کجا من

من دیوانہ را این ھا مگوئید

(ایضاً، ص ۳۹۲)

برصغیر کی فارسی شاعری کی تاریخ میں امیر خسرو کے بعد سب سے بڑا نام بلاشبہ فیضی فیاضی کا ہے۔ شبلی نعمانی ''شعرالعجم'' میں لکھتے ہیں:

''فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے، جنہیں اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، امیر خسرو اور فیضی۔'' (شبلی نعمانی، ص ۶۵، جلد پنجم)

آیئے ناقدین کی آراء سے قبل اپنے شاعری کے بارے میں خود فیضی کی رائے بھی دیکھ لیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیضی لکھتا ہے: میرے اشعار دوستوں کے لیے مٹھاس سے بھرپور اور اہل ہندوستان کی دانش و بصیرت کا نچوڑ ہیں۔ (فیضی، دیباچہ دیوان)

ابو الفضل آئین اکبری میں اسے شگفتہ پیشانی، کشادہ دست، بیدار دل، سحر خیز کی صفات سے یاد کرتا ہے۔ امین احمد رازی ہفت اقلیم میں اسے فہم و فراست، جامعیت علوم اور لطف شعر و حسن مقال میں عدیم المثال قرار دیتا ہے۔

تقی الدین اوحدی فیضی کو شہر یار اقلیم سخن اور شاعری کی قدیم رسوم و روایات کو پھر سے زندہ کرنے والا سخنور جانتا ہے۔

تاریخ شعر و سخنوران فارسی در لاہور میں لکھا ہے:

''فیضی کے ہاں خیال بافی کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ سبک ہندی کی جملہ خوبیاں یکجا ہو گئی ہیں۔ فیضی کو بلاشبہ سبک ہندی کا نمائندہ ترین شاعر بلکہ کسی حد تک اس خاص اسلوب کا بانی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔'' (آغا یمین، ص ۲۰۰)

علی اکبر دہخدا نے لغت نامہ میں لکھا ہے:

''فیضی، ہندوستان کے ممتاز ترین شعراء میں سے ایک اور قصیدہ، غزل اور مثنوی جیسی اصناف سخن میں صاحب اسلوب سخنور ہے۔'' (دہخدا، علی اکبر، ص ۷۳۷)

تاریخ ادبیات در ایران کے مصنف ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:

''فیضی ہندوستان کے عظیم شعراء اور ادباء میں سے ایک ہے، اسے سرزمین ہند کے فارسی شعراء میں ممتاز مقام حاصل ہے۔'' (صفا، ذبیح اللہ، ص ۸۳۸، جلد ۵، بخش ۲)

تاریخ ادبیات ایران میں ڈاکٹر رضا زادہ شفق یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے عظیم ترین فارسی گو شعراء امیر خسرو، عرفی اور فیضی ہی تھے۔'' (شفق، رضا زادہ، ص ۱۸۹۔۱۸۸)

معروف مستشرق ای۔ جی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

براؤن کی رائے میں: بلا شبہ فیضی کا شمار ہندوستان کے عظیم ترین شعرا میں ہوتا ہے۔
(براؤن، ص۱۶۲۔۱۶۳)
ڈاکٹر محمد معین لکھتے ہیں کہ ''فیضی طبع رواں، ذہن رسا اور صاحب قلم سخنور تھا۔''
(معین، ص ۱۴۰۰/۶)

فیضی اپنی شاعری میں عظیم الشان استعارات اور دلنشیں تشبیہات نہایت مہارت سے استعمال کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فیضی سبک ہندی کے عظیم شعراء میں سے ایک ہے۔ اس کے اشعار میں جلوہ گر روشن افکار کے سبب، اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور فارسی شاعری کی تاریخ فیضی کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔

ماٰخذ:

- باقر، محمد؛ وحید مرزا (۱۹۷۱ء) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
- بدخشانی، مرزا مقبول بیگ (۱۹۷۱ء) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دوم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
- براؤن، ادوارد ، تاریخ ادبی ایران، ترجمۂ علی پاشا صالح، علی اصغر حکمت، رشید یاسمی، تہران، ایران۔
- خانلری، زہرا (۱۳۴۱ش/۱۹۷۲ء) راہنمای ادبیات فارسی، کتابخانۂ ابن سینا، تہران، ایران۔
- ریپکا، یان؛ اتا کارکلیما؛ ایژری بچکا (۱۳۷۰ش/۱۹۹۱ء) تاریخ ادبیات ایران، ترجمۂ کیخسرو کشاورزی، ویراستار بہمن حمیری، چاپ اول، انتشارات گوتنبرگ، تہران، ایران۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔شبلی نعمانی (۱۳۱۶۔ ۱۳۳۶اش/۱۹۳۷۔ ۱۹۵۷ء) شعر العجم، ترجمۂ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی، تہران، ایران۔

۔شفق، رضازادہ (۱۳۴۲اش/۱۹۷۳ء) تاریخ ادبیات ایران، انتشارات امیر کبیر، تہران، ایران۔

۔ ایضاً (۱۹۶۴ء) تاریخ ادبیات ایران، ترجمۂ مبارز الدین رفعت، بار سوم، ندوۃ المصنفین دہلی، یونین پرنٹنگ پریس دہلی، بھارت۔

۔ صفا، ذبیح اللہ (۱۳۷۳ ش/۱۹۹۴ء) تاریخ ادبیات در ایران، جلد پنجم، بخش دوم، چاپ ہفتم، انتشارات فردوس، تہران، ایران۔

۔ عابدی، وزیر الحسن؛ فیاض محمود (۱۹۷۲ء) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد سوم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۔فیضی، شیخ ابوالفیض (مئی ۱۹۶۷ء) کلیات فیضی (مشتمل بر قصائد و غزلیات و مطالع) مرتبہ اے۔ ڈی۔ راشد، نظر ثانی سید وزیرالحسن عابدی، چاپ اول، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

۔معین، محمد (۱۳۷۵اش/۱۹۹۶ء) فرہنگ فارسی، جلد ششم، چاپ دہم، انتشارات امیر کبیر، تہران، ایران۔

۔یمین خان لاہوری (اکتوبر ۱۹۷۱ء) تاریخ شعر و سخنوران فارسی در لاہور، از ظہور اسلام تا عصر شاہجہان، غلام علی پبلشرز لاہور، نیشنل پبلشنگ ہاؤس کراچی

© rasailojaraid.com